Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE
www.safareadab.com
آرزو کے مسافر
ابیہا نعیم

آرزو کے مسافر

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

از قلم ابیہا نعیم

All Rights Reserved

Copyright: Abiha Naeem (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

آرزو کے مسافر کے تمام جملہ حقوق لکھاری "ابیہا نعیم" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

قسط نمبر:01

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

باب اول

کسی انجانی جنت کی فراق میں

بھٹکتے رہے مسافر۔

نہ منزل ملی نہ کارواں ملا

نہ وہ شوق رہے نہ وہ ضد۔

ان کے خواب منزل تھے اور منزلیں خواب تھی

بھٹکتے ہی رہے آرزو کے مسافر۔

☆☆☆☆☆

ائیر پورٹ پر مامول کا رش تھا، کچھ جا رہے تھے کئی سالوں کے لیے اور کچھ آ رہے تھے کئی سالوں بعد، کئوں کے چہروں پہ آنسوں تھے، کسی کے آنسوں خوشی کے تھے تو کسی کے دکھ کے، کوئی خوشی سے تو کوئی اداسی سے مسکرا رہا تھا۔ اسلام آباد کی ٹھنڈی ہوا اسکے بالوں کو نرمی سے چھو کے گزر رہی تھی۔ سورج نے بھی اپنے آپ کو بادلوں میں ڈھک لیا تھا۔ بادل بھی برسنے کو بے تاب تھے، ان کے سفید دل بھی بھوجل ہو کہ سیاہ ہو گئے تھے۔ فزا میں کچھ اداس تو کچھ الگ سا تھا۔ جیسے کوئی کہانی اپنا آغاز کرنے کے لیے بے تاب ہو۔ ایسے میں ان سب سے بے نیاز ایک لڑکی سیاہ شرٹ پہ سفید کوٹ پہنے، آنکھوں پر سیاہ ہی سن گلاسس

لگائے، سر پہ سلیقے سے سیاہ دوپتہ لیے، جس میں سے جندبال نظر آرہے تھے، ایک ہاتھ میں اپنا سفید سفری بیگ پکڑے تو دوسرے میں اپنا فون جس پہ وہ مسلسل کوئی نمبر ڈائیل کرتے ہوئی داخلی دارواز ے کی طرف بڑھتی ہوئی نظر رہی تھی۔

"اسلام وعلیکم آپی میں باہر آپکی گاڑی کے ساتھ کھڑا ہوں، آپ آجائے" شاید رابطہ مل گیا "

"ٹھیک ہے میں آرہی ہوں" اور فون بند۔ تھوری ہی دیر میں وہ اپنی سیاہ گاڑی کے پاس پہنچ گئی، اُدھر پہنچ کر اس نے درائیور سے گاڑی کی چابی لی اور ڈگی کھول کر اس میں اپنا سامان رکھا ساتھ ہی ڈرائیور کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا، وہ مؤدب سا وہاں سے خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ وہ بھی خاموشی سے گاڑی میں بیتھی اور گاڑی سٹارٹ کی۔ چند لمحے بعد گاڑی ایک عمارت کے سامنے رکی بجائے باہر نکلنے کے وہ اندر بیتھی رہی اور غور سے عمارت کو دیکھی گئ۔ وہ عمارت دن کے اُجالے میں بھی اپنی پوری شان سے کھڑی تھی۔ اس عمارت سے ایک الگ سی گھن آتی تھی اسے۔ کافی دیر بعد اس نے اپنی نظروں کا رخ بدل کر سڑک کی طرف کرلیا۔ اس کے سیاہ دوپتے سے اس کی سنہیری (امبر) رنگ کی آنکھیں نظر آرہی تھی جو پُر سوچ انداز میں چھوٹی ہوئ تھی، ابھی وہ سوچنے میں مگن تھی کہ اس کا فون بجا۔ اس نے چونک کہ دیکھا اور پھر اتھالیا۔

"سلام بیٹا، کب آرہی ہو؟ "

"جی بس آرہی ہوں "

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اوکے۔" اور فون بند کر دیا گیا۔ اس نے فون ڈیشینگ بورڈ پہ ڈال دیا، اور پھر چند لمحے مزید بیتھی رہی اور پھر گھر راوانہ ہو گئ۔ تھوری دیر میں وہ گھر کے باہر گاڑی روک رہی تھی۔ وہ ایک

چھوٹا مگر خوبصورت مکان تھا۔ دروازا کھول کر اندر بڑھو تو سامنے ایک لان نما کھلی جگہ ہے، جدھر چھوٹے چھوٹے پھول اُگائے گ ئے تھے، ذرا ایک طرف کر کے چار کرسیاں رکھی ہوئ تھی جن کے درمیان ایک گول مگر چھوٹا میز رکھا ہوا تھا، گھر کے اندر آؤ تو بائیں طرف امریکن طرز کا کچن بنا تھا۔ اور دائیں طرف 2 کمرے جس میں سے پہلا والا بیڈ روم تھا اور دوسرا کمرا جو سیڑیوں کے ساتھ تھا اکثر بند رہتا تھا۔ بیچ میں ایک کھلا سا دائینگ روم تھا۔ جدھر ایک بڑا میز لگا ہوا تھا۔ سیڑیوں سے چڑھ کر اوپر آؤ تو وہاں تین کمرے تھے جن میں سے دو بیڈ روم تھے اور ایک کمرا اسٹڈی روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ دونوں بیڈ روم کافی کھلے تھے اور نفاست سے سجائے گ ئے تھے۔ وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔ گھر کے اندر پہنچتے ہی اسے سامنے ساجدہ بیتھی ہوئ نظر آئی، انہوں نے اسے بس ایک نظر دیکھا اور واپس سبزی کاتنا شروع کر دیا۔ زیمل خاموشی سے انکے پاس آئی اور پیچھے سے انہیں گلے لگایا،

"اسلام و علیکم والدہ، میں اوپر جا رہی ہوں۔" اور ساجدہ کے کام کرتے ہاتھ دہیلے پرے۔ اونہوں نے مسکرا کر اسے اوپر جاتے دیکھا۔

" واعلیکم سلام، زیمل" وہ دونوں ماں بیٹی ایسی ہی تھی۔ سلام اور حال چال تک ہی ان کی بات چیت ہوتی تھی۔ پہلے یہ بھی نہ تھا اب جا کہ یہ تبدیلی آئی تھی اور وہ اس بات پر خوش نہیں مگر مطمئین تھی۔ اس کی

ماں اسے اپنے ہر دکھ کا قصوروار سمجھتی تھی مگر آہستہ آہستہ انہیں اندازہ ہوا تھا کہ وہ ایک بچی تھی اور جب انہیں اندازہ ہوا تو وقت آگے بڑھ چکا تھا کیونکہ وقت کسی کے لیے نہیں رکتا۔ زیمل نے اوپر آکر اپنا سامان کمرے میں رکھا اور عمر کے کمرے میں چلی گئی، اندر آؤ تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ آج اتوار تھا تو وہ گھوڑے بیچ کے سو رہا تھا۔ زیمل دبے پاؤں اندر بڑھی اور بتی چلائی، عمر تس سے مس نہ ہوا۔ وہ آگے آئی اور اس کے اوپر سے کمبل اتار، عمر تڑپ کے اُٹھا

"امی کیا ہے آج تو اتوار ہے آج تو سونے دیں۔" وہ آنکھیں بند کرے بولا۔

"امی کے بچے آنکھیں کھولو" زیمل نے اسکے سر پہ تھپکی لگائی۔ عمر نے پوری کی پوری آنکھیں کھول کہ اسے دیکھا اور پھر اسے خوشگوار حیرت سے گلے لگایا۔

"زیمو تم کب آئی؟" اس سے الگ ہوتے ہوئے وہ بولا۔

"جب تم گھوڑے بیچ کے سو رہے تھے" وہ اسکے پاس بھیتتے ہوئی بولی۔

"یار کل رات نہیں سویا تھا میں بس اسی لیے اب تک سو رہا تھا، اور تم نے پر سو نہیں آنا تھا؟" مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں بس ایجنسی والوں کو میری چھٹی برداشت نہیں۔ اور تم نے جو یہ اتنی تیز سپیڈ پہ اے سی چلایا ہوا ہے پیسے میرے باپ نے دینے نا۔" اتنا خرچا دیکھ کے اسے ہارٹ اٹیک ہی آنا تھا۔ عمر کو تو جیسے ایک دم بریک

لگ گئی تھی، زیمل اے سی بند کر کے اس کے پاس آئی تو اسے یوں غم سم پا کر گہرا سانس لیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"میرے پیارے بھائی مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ بابا تمہیں کامیاب دیکھ کے خوش ہو گے، ان کے دکھ میں اداس نہیں۔ چلو فریش ہو کے مجھے چائی پیلاؤ۔" اسکے بالوں میں ہاتھ پھیر کر وہ وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں آئی اور ایک نیلے رنگ کی فائیل اپنے بیگ سے نکالی۔ فائیل میں کسی شخص کا بایو ڈیٹا تھا۔ اس فائیل کے اوپر سفید کاغذ پہ لکھا ہوا تھا "بلال مرزا"۔ اس میں ہر چیز تھی اس شخص کے بارے میں، اتنی خبر اس کے باپ کو بھی نہیں ہو گی جتنی اس کو فلحال تھی۔ اس نے فائیل کو بس ایک آخری نظر دیکھا اور فریش ہونے چلی گئی۔ 15 منٹ بعد وہ باہر نکلی تو کافی آرامدہ لگ رہی تھی۔ اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ اس نے سفید شرٹ پہ سیاہ لیدر جیکٹ کے ساتھ سیاہ ہی جینز پہنی تھی۔ سر پہ وہی اپنا مخصوص سیاہ سکارف سلیقے سے لیے جس میں سے ہمیشہ کی طرح چندلتے نظر آ رہی تھی۔ اس نے حجاب کچھ یو لیا تھا کہ ایک پلو کمر پہ گڑا ہوا تھا تو دوسرا پلو سامنے پھیلا ہوا تھا۔ کمر پہ گرے اس کے گیلے بال سکارف سے نکلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ حسین تھی، اور حسین لگ رہی تھی۔ وہ بیشک ویسٹرن کپڑے پہنتی تھی مگر اس کے کپڑے کبھی بے حیائی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ اس کا دودھ کی مانند سفید چہرہ حجاب کے حالے میں

دمک رہا تھا۔ اور اس کی آنکھیں، اس کی آنکھیں کسی کو بھی اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ وہ زندگی سے بھرپور چمک نہ تھی وہ کچھ اور تھی اور بہت خاص چمک تھی تم اس چمک میں کھو بھی سکتے ہو۔ اس کے نقوش نرم سے تھے۔ لیکن اس کی شخصیت بلکل اس کے چہرے کے برعکس تھی۔

اس نے اپنے ہلکے بھورے رنگ کے سلکی بالوں کو سکھا کہ جوڑے میں باندلیا اور اوپر سکارف اپنے مخصوص انداز میں لیا اور نیچے چلی گئی۔ ساجدہ دوالے کے آرام کرنے اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور عمر کچن میں کھڑا یقیناً چائی بنا رہا تھا۔ کسی احساس کے طحت وہ پیچھے مڑا تو زیمل کو دیکھ کر فوران منہ بنالیا۔ زیمل نے اسے دیکھا تو زور سے ماتھا پیٹا۔ "اُف کب بڑا ہو گا یہ" وہ جا کر اس کے برابر میں کھڑی ہوئی۔ عمر نے اسے چائی کا کپ پکڑایا اور اپنا کپ لیے ادھر ہی ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔ زیمل بھی چائی کا کپ لیے اسکے سامنے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہوں، تو آپ صاحب اب کس وجہ سے ناراض ہے؟" عمر نے اسکی طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کی۔

" تم دوسرے شہر گئی تھی اور میرے لیے کچھ نہیں لائی حالانکہ کل میری سالگیرہ تھی۔" وجہ بتائی گئی۔ وہ کہیں سے بائیس سالہ مرد نہیں لگ رہا تھا مگر ایک سات سالہ بچہ۔ زیمل کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے منظر چل رہے تھے۔ اس نے تمام یادیں جھٹکی اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں تو کام سے گئی تھی کون سا گھوم نے گئی تھی" بے نیازی سے کہا گیا۔

"ہاں جیسے میں تو جانتا نہیں نا کہ کون سا کام تھا" منہ بسوڑ کر کہا۔

"عمر میں نے شادی میں شرکت نہیں کی جس کی وجہ سے امی مجھ سے ناراض تھی۔ میں اپنا کام کسی کی شادی کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتی۔

"and you know my work is my first priority

عمر نے اسے دیکھا، وہ شاید چائی کا سپ لینے کے لیے رکی تھی۔

"جا کہ اپنے کمرے کی الماری میں دیکھو میں شاید وہاں اپنی گاڑی کی چابی بھول گئی تھی۔"

اور عمر کے چہرے پہ دنیا جہاں کی خوشی تھی۔ اس نے بڑق رفتاری سے چائی کا کپ رکھا اور اوپر کی طرف بھاگا۔ زیمل اسے دیکھ نرمی سے مسکرائی۔ اسے اپنا چھوٹا بھائی بہت عزیز تھا۔ اس کے بھائی نے جتنی تکلیف اٹھائی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے بعد دوبارہ وہ اسی تکلیف سے گزرے۔ آخر تھا بھی تو وہ ایک بچہ۔ اور اب بھی وہ اسے بچہ ہی لگتا تھا۔ عمر کو اس نے ایک ماں کی طرح پالہ تھا اور اب وہ MBBS کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی عمر کی واپسی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں زیمل کی گاڑی کی چابی بھی تھی اور کچھ اور بھی۔ وہ قریب آیا اور اسے دیکھ کر کھل کر مسکرایا۔

" ٹھینک یو سو مچ زیمو" ساتھ ہی گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھائی۔ زیمل نے چائی کا کپ ایک طرف رکھا اور چابی پکڑی۔ اور پھر کامال مہارت سے انجان بن گئی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اوہ، آمی لائی ہے؟ مبارک ہو" اس نے انجان بنتے ہوئے اس سے گھڑی لی اور ادھر اُدھر کر کے دیکھی۔ "اچھی ہے" اور عمر کی طرف دیکھا وہ ہس رہا تھا۔ زیمل نے اسے گھڑی واپس دی اور اسکے سلیقے سے بنے بالوں کو بیگاڑ کر کہا۔

"مین ایجنسی جا رہی ہوں، امی کو بتا دینا۔" اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس ایجنسی میں زیمل کام کرتی تھی وہاں کی وہ سینئیر ایجنٹ تھی۔ دراصل ایجنسی میں کام کرنے والے ورکرز کو ایجنٹس کہا جاتا تھا۔ ایجنسی میں کام کرنے والے ایجنٹس سے سوائے ایجنسی والوں کے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ ایجنٹ بننے سے پہلے 4 ماہ کی ٹریننگ ہوتی ہے جسے اگر وہ پاس کر جائے تو انہیں ایجنٹ مانا جاتا تھا۔ اسی طرح ایجنٹس کی ٹیم بنائی جاتی ہے جس میں 4 قابل ایجنٹس ہوتے ہیں اور پھر ٹیم کو کیس سالو کرنے کے لیے دیا جاتا تھا۔ زیمل ایجنسی کی قابل ترین ایجنٹ میں سے ایک ہے۔ اگر اس کی تعریفیں کر کے لوگ نہ تھکتے تھے تو اسکی بڑائیاں کر کے بھی نہ ٹھکتے تھے۔ وہ اپنے جونیئرز کی آئیڈیل تھی۔ اگر وہ مشہور تھی تو اسکی ایک وجہ اسکی خوبصورتی بھی تھی۔ وہ پہلی دس فیمیل ایجنٹس میں سے تھی۔ اسے ایجنٹس میں جادوگرنی کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ وہ اس سب سے واقف تھی مگر اس نے نظر انداز کرنا بہتر سمجھا کیونکہ اسے سسپینشن لیٹر نہیں چاہیے تھا۔ نہیں وہ ڈرتی نہیں تھی اسے بس ان سب کے چہروں پہ ترس آیا تھا۔ وہ دیکھنے میں جتنی کمزور تھی اتنی ہی مضبوط تھی۔ اس نے کبھی ڈرنا نہیں سیکھا تھا، ہمیشہ ڈرانا

سیکھا تھا۔ وہ ایجنسی پہنچ کر نیچلے فلوڑ لفت کے بجائے سیڑیوں سے آئی اور اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئی۔ راستے میں اسے بہت سے ایجنتس نے سلام کیا تھا، کچھ نے جل کے تو کچھ نے دل سے۔ زیمل نے بہر حال سر کے خم سے سب کے سلام کے جواب دیئے اور اپنے کیبن میں چلی آئی۔ اندر تین مرد تھے اور تینوں کام میں مصروف تھے، آہٹ ہوئی تو تینوں نے سر اٹھا کے دیکھا، وہ دروازے سے اندر داخل ہوئی ہی تھی ابھی کے کچھ احساس کر کے گردن موڑی اور پھر گہرا سانس لیا۔ ہاتھ ماتھے تک لے جا کہ سلام کیا اور اپنی مخصوص جگہ پہ جا کہ بیٹھ گئی، وہ تینوں اسے ہی دیکھ رہے تھے، زیمل نے تنگ آ کر ان تینوں کو دیکھا جو بت بنے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

" کیا مسلئہ ہے؟" سنجیدگی سے پوچھتے ہوئے اپنی چبھتی سنہری نیگاہیں ان پہ سجائی۔

" تم ہی تو ہو ہمارا مسلئہ "ایک مرد نے جل کر بولا تو باقی تینوں نے اسے گھورا تو اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ وہ مرد شہریار احمد تھا۔ ایجنسی کا سب سے ہینڈسم ایجنت۔ لڑکیاں اس کی تعریفیں کر کہ نہ تھکتی تھی۔ سبز آنکھیں اور شہد رنگ بالوں کے ساتھ گوری رنگت، اتھی مغرور ناک جو صاف بتا رہی تھی کہ اس شخص کو اپنی آنا بہت عزیز تھی۔ درمیانے سایئز کی اس کی سبز آنکھیں اس کی خوبصورتی میں مزید ازافہ کرتی تھی۔ وہ بغیر کسی شک کے بہت دل کش تھا۔ مگر یاد رکھنا، جتنا وہ خوبصورت ہے اتنا ہی خطرناک۔

"تم جلدی کیوں آ گئی کیا سب ٹھیک ہے؟" ایک نے زرا فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں احتشام سب ٹھیک ہے، باقی تمہیں پتہ ہے کام سے دور رہنا میرے لیے عزاب سے کم نہیں"

اس نے جیسے اپنے دوست کی تسلی کروائی۔ اس کا دوست، احتشام ابرار، بھوری چھوٹی آنکھوں اور بھورے بالوں والا تھا۔ اپنے کالج تایئم میں لڑکیوں کا انتر نیشنل کرش۔

" چلو اچھا ہے تم آگئی ورنہ ان دونوں کو میں اکیلے نہیں جھیل سکتا تھا" صارم نے باقایئدہ بے چارو جیسی شکل بنائی۔

زیمل جانتی تھی کہ وہ واقعے بیچارہ تھا، وہ بس ہلکا سا مسکرادی۔ کیا تم جانتے ہو وہ بیچارہ کیسا دیکھتا ہے؟ وہ بیچارا واقعی معصوم دیکھتا ہے۔ اس کی گول سرمئی آنکھیں اور بھورے گھنگریالے بال اسے بے حد معصوم دیکھاتے تھے۔ اسے دیکھنے سے ایسے لگتا تھا جیسے وہ کسی دوسری دنیا سے آیا ہو۔ فیری ٹیل کی دنیا سے۔ وہ آخر تھا بھی تو صارم مرتضا۔ کیا تم اب بھی نہ سمجھے کہ اسے جادوگرنی کیوں کہا جاتا تھا؟۔

"اچھا بوئیز اب زرا کام کی بات کرلے بعد میں ہم ایک دوسرے کو دسکس کرلے گے "

اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ تینوں بھی سنجیدہ ہوگئے۔ وہ اپنے ورکینگ ٹیبل سے کچھ فائیلز لائی اور بیچھ میں رکھے وسیع میز پہ رکھی وہ تینوں تب تک میز کے گرد کھڑے ہو چکے تھے۔ زیمل نے ایک سنجیدہ نظر ان پہ ڈالی اور کہنا شروع کیا۔

" بلال مرزاء کا کیس۔ اس میں ہمارے پاس کوئی سسپیکٹ نہیں تھا مگر جب میں شہر سے باہر گئی تھی تو میں نے کیس پہ کچھ الگ اینگل سے تحقیقات کی تو یہ کچھ سسپیکٹ مجھے ملے۔ زرا ایک نظر ان کو دیکھ لیتے ہیں۔ "

وہ تینوں سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ جواباً آگے بڑھی اور ایک فائیل شہریار کی طرف بڑھائی، شہریار نے اس کے ہاتھ سے فائیل لی اور اسے پڑھنے لگا۔ زیمل نے باقی کی دونوں فائیلز صارم اور احتشام کی طرف بڑھائی۔ انہوں نے چند منٹ بعد فائیل پڑھ کر میز پہ واپسی رکھی اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ زیمل نے گہرا سانس لیا اور کہنا شروع کیا۔

"یہ بلال مرزاء کا سوتیلا بھائی، عباس مرزاء۔ بلال اور عباس کی آپس میں کبھی نہیں بنی اور پھر جب دونوں بھائیوں کے درمیان جائیداد کا بٹوارا ہوا تو بلال کو جائیداد میں زیادہ حصہ دیا گیا، کیونکہ وہ مرزاء صاحب کی پہلی اولاد تھی۔ اسکے بعد سے دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ مگر پھر چند سال بعد، یعنی کے 2 سال پہلے عباس نے اچانک بلال سے رابطہ جوڑ لیا۔ اور پھر اسے نرمی سے سمجھایا یا شاید اسے دھمکایا کہ وہ اپنے حصہ کی جائیداد اس کے نام کر دے۔ مگر بلال نے صاف انکار کر دیا۔ اور پھر دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی، اور اس کے دو ماہ بعد ہی بلال کا قتل اس کے ہی گھر میں ہوا۔ "

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس سنجیدگی سے انہیں پہلے سسپیکٹ کے بارے میں آگاہ کیا۔ وہ تینوں بھی سنجیدگی سے اسے سن رہے تھے اور سمجھ رہے تھے۔ زیمل نے شہریار کو دیکھا اور پھر اسنے اپنے گروپ کے لیڈر سے آگے بولنے کی اجازات مانگی تو لیڈر نے آگے بڑھنے کی اجازات دی۔ زیمل نے سر ہیلایا اور 2 قدم اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ ہمارا دوسرا سسپکیٹ یعنی بلال مرزاء کی سوتیلی ماں ثمینہ مرزاء۔ ان دونوں کا رشتہ بلال اور عباس سے مختلف نہیں ہے۔ باقی کی معلومات فائیل میں ہے تو مجھے نہیں لگتا اور کچھ بتانے کی ضرورت ہے۔"

اس نے بات ختم کر کے ان تینوں کی طرف دیکھا۔ وہ متفق لگ رہے تھے۔ زیمل نے زرا کا ادھر دیکھا تو اسے اندازہ ہوا وہ اتنی دیر سے اپنی کس کے ساتھ کھڑی تھی وہ فوراً دو قدم پیچھے ہوئی۔

" کیا تم لوگوں نے کرائیم سین جا کہ چیک کیا؟" اس نے جواب میں ہاں کی امید کی تھی۔

" نہیں ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" احتشام نے سکون سے کہا تو اس کا دماغ بھگ سے اُر گیا۔

"کیا!؟ تم لوگوں نے کرائیم سین نہیں چیک کیا ابھی تک؟ یا میرے اللہ دو دن ہو گئے اور تم لوگوں نے ابھی تک۔۔؟ "

اسے تو جیسے صدمہ سا لگ گیا تھا۔ وہ دکھ کے عالم میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

" تم کہو تو آج ہی چلتے ہیں؟" شہریار نے اس سے کہا تو زیمل کیا باقی دونوں بھی اسے بت بنے دیکھ رہے تھے جیسے اس نے قتل کرنے کے لیے کہہ دیا ہوں۔

"میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ چلو جلدی۔ اب تک تو قاتل نے آدھے سے زیادہ ثبوت مٹا دیے ہو گے۔" وہ اپنا فون اٹھاتے ہوئے بولی۔

"ریلاکس، ہم خود نہیں گئے مگر ہماری ایجنسی سے دو سے تین لوگ ادھر ہی تھے، نہیں انہوں نے کسی چیز کو نہیں چھیڑا۔"

صارم نے اس کی تسلی کروائی۔ تھوری دیر بعد وہ چاروں شہریار کی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ زیمل پیچھے صارم کے ساتھ اور شہریار کے ساتھ احتشام آگے۔ سفر خاموشی سے گزرا تھا۔ زیمل کے دماغ میں کچھ چل رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی پزل حل کر رہی ہو۔ اس کی سنہیری آنکھیں پُر سوچ انداز میں باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان میں سے کوئی ایک تھا جو اسے ہی تک رہا تھا۔ پر سوچ نگاہوں سے۔ کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا تم جانتے ہو کون ہے وہ؟ اس کی آنکھیں سبز رنگ کی تھی۔ کسی گھنے جنگل کی طرح سبز۔ اس کی آنکھیں کسی کو بھی اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت پر کشش تھی۔

تقریباً 15 منت بعد وہ کرائیم سین پہ موجود تھے۔ جدھر بلال کا بے جان وجود تھا اس کی جگہ اب خالی تھی اور اسے سفید چاک سے آؤتلائین کیا گیا تھا۔ زیمل کمرے کا جائزہ سنجیدگی سے لے رہی تھی۔ ادھر اسے کچھ خاص نظر نہ آیا۔ وہ واپس جانے لگی تھی کہ اسے کچھ اندھیرے میں نظر آیا۔ کسی کا سایہ جیسے ادھر کوئی ابھی کچھ وقت پہلے تھا۔ بجائے کہ وہ اسے آواز دیتی اس نے خاموشی سے اس سایہ کہ پیچھے قدم اٹھائے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی جب کسی نے پیچھے سے اس پہ حملہ کیا۔ اس نے برق رفتاری سے اپنے آپ کو اس کی قید سے نکالا اور ابھی کہ وہ اس کی شکل کا نقشہ بگارتی وہ واضح ہوا۔ زیمل نے اسے اسی وقت چھوڑ دیا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تم پاگل تو نہیں ہو نا شہریار؟" اس نے مصنوئی غصہ سے اسے دیکھا۔

"مجھے لگا کوئی اور بھاگ رہا ہے۔ میں نے یہاں کوئی سایہ دیکھا تھا تم کیا کرہ ہی ہو؟" شہریار نے سادہ لہجے میں کہا۔

"بد تمیز انسان تمہاری وجہ سے وہ بھاگ گیا۔ "

اسے دور کرتے ہوئی وہ بولی۔ وہ دونوں ایک پتلی سنسان گلی میں کھڑے تھے۔ اس گلی میں بمشکل دو ہی بائیک گزر سکتی تھی یہ اسی گھر کے پیچھلی طرف تھی۔ شہریار کے چہرے پہ کوئی تاثر بی ابھرا وہ ایسے ہی بے تاثر چہرے سے اسے تک رہا تھا۔ اس نے کچھ بولنے کا تکلف اٹھانہ ضروری نہ سمجھا۔ جیسے وہ کوئی فضول بات ہو۔ زیمل آگے بڑھی تو شہریار بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ دونوں واپس آئے تو احتشام اور صارم اب بھی جائیزہ لینے میں مصروف تھے۔ ان دونوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کہ وہ دونوں بھی سیدھے ہوئے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہاں سوکھا خون لگا تھا۔ خیال ہے کہ یہ قاتل کا ہے چونکہ وکٹم کے شریر پہ مضاہمت کے نشان ہے ا۔ باقی یہ بلڈ سیمپل فورینسک لیب بھیج دیا ہے رپورٹ آئی گی تو پتہ چل جائے گا۔ "

صارم نے تفسیل سے انہیں آگا کیا۔ احتشام نے اپنے ہاتھ سفید رنگ کے پتلے دستانوں سے آزاد کروائے اور انہیں باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ جیسے کوئی بات تھی جو غالباً وہ ادھر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تینوں اس کا اشارہ سمجھ کر باہر کی طرف بڑھ گئے۔

"فلہال ہمیں یہاں سے جانا چاہیے کیونکہ ادھر ہمارے سوائے کوئی اور بھی ہے۔"

وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں احتیاط واضح تھی۔ زیمل اور شہریار نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو کیا تم لوگوں نے بھی کسی کو دیکھا ہے؟" شہریار نے بھی دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ہاں یہاں ایک لڑکا تھوڑی تھوڑی دیر بعد نظارہ کر کے جا رہا ہے جیسے وہ جاننا چاہتا ہے کہ ادھر ہو کیا رہا ہے ۔ ہم اسے براہ راست جا کہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر اس کا اس سب میں کوئی ہاتھ ہوا تو وہ چونکنا ہو جائے گا۔ "

احتشام نے شہریار کو دیکھتے ہوئے پوری بات بتائی۔ زیمل البتہ خاموش تھی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کے دماغ نے فوراً کچھ کلک کیا۔

"گاڑی میں بیٹھو ہمیں ایجنسی جانا ہے۔" اس کے یوں اچانک کہنے پہ تینوں نے اسے دیکھا اور فوراً اس کے پیچھے لپکے۔

ایجنسی پہنچ کر اس نے اپنے کیبن کا دروازہ کھولا۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔

کچھ غلط تھا۔ اس نے پیچھے آتے ان تینوں کو دیکھا اور آگے بڑھ کے بتی جلائی۔

"مجھے ایک سکیچ بنوانا ہے۔ جو سایہ سا وہاں سے بھاگا تھا اس کا ہاتھ دیکھا تھا میں نے صرف۔ وہ جلا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ پہ ایک چھوٹا سا ٹیٹو تھا۔" وہ شہریار کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ اپنے گروپ کے لیڈر کی طرف۔

"اوکے تم بنواؤ سکیچ۔" شہریار نے اس سے کہا اور وہ باہر کو لپک گئی۔ اس کے جانے کی دیر تھی کہ احتشام زرا شرارت سے اس کی طرف بڑھا اور صارم نے گہرا سانس لیا اور اپنے ورکینگ تیبل کی طرف رخ کیا۔ وہ جانتا تھا اب یا تو جنگ عظیم ہو گی یہ تھڑکی پن جس سے وہ اور شہریار بہت چڑتے تھے۔ احتشام کسی بھی چیز کی پروا کیے بغیر آگے آیا اور شہریار کہ سر پہ ایک چپیڑ رسید کی۔ اور فوراً دوسری طرف بھاگا کہ کہیں وہ اسے وہیں پکڑ کر زبح نہ کر دے۔ شہریار کو تو تپ چڑھ گئی تھی۔ وہ فوراً اس کے پیچھے بھاگا۔ اور لو ہو گئی جنگ عظیم شروع۔ صارم نے بے اختیار اپنا ماتھا پیٹا۔

"اُف یہ دونوں کبھی بڑے نہیں ہو گے۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

تھے وہ تینوں ہم عمر مگر فلہال وہ 5 سالہ بچے لگ رہے تھے جن سے ان کی چاکلیٹ چھین لی ہو۔ اب تک شہریار احتشام کا گلہ پکڑ چکا تھا۔ صارم سے مزید برداشت نہ ہوا اور وہ باہر کو نکل گیا کہ اب اگر کوئی نقصان ہوا تو یہ جانے اور ان کے فرشتے۔ وہ نکلا ہی تھا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر زور کا قہقہ لگایا۔ اب کہ اصل شامت صارم کی لگنی تھی۔ وہ دونوں فوراً اس کے ورکینگ ٹیبل کی طرف بڑھے اور اس کی گاڑی کی چابی اُٹھالی۔ احتشام نے بنہ کوئی دیر کیے گاڑی کی چابی اپنی جیب میں ڈالی۔ دونوں نے ایک

دوسرے سے اپنی مٹھی ٹکرائی۔ تبھی زیمل اور صارم آپس میں باتیں کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ یقیناً صارم شیکایات لگانے پہنچ چکا تھا اور اب زیمل کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور جان لیا کہ اب یا تو موت ہے یا ہار۔ دونوں نے ماتھے پہ آتا پسینہ صاف کیا۔

"تم لوگوں نے کب بڑا ہونا ہے؟" زیمل نے ان کو دانٹا۔

"سارا نقشہ بیگاڑ کہ رکھ دیا ہے تم دونوں نے۔" اور واقعی حالات ایسے کر دیے تھے جیسے ابھی ابھی یہاں بم پھٹا ہو۔ شہریار اور احتشام نے دنیا جہاں کی معصومیات چہرے پہ سجا کہ اسے دیکھا۔

"ہم نے کچھ نہیں کیا، یہ اس صارم نے کہا تھا اس کی گاڑی کی چابی نہیں مل رہی ہم بس وہی تلاش کر رہے تھے۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

صارم کا تو صدمے سے منہ کھل گیا۔

"یہ جھوٹ بول رہے ہے میری گاڑی کی چابی میرے دراز میں رکھی ہے۔ "

کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنا دراز کھولا اور ادھر چابی نہ پا کر اس نے ان دونوں کو گھورا۔ زیمل نے گہرا سانس لیا۔

"شہریار گاڑی کی چابی دو۔" اگر وہ زیمل تھی تو وہ بھی شہریار تھا۔

"میرے پاس نہیں ہے۔" زیمل نے دو قدم اس کی طرف بڑھائے تو اس نے بے اختیار دو قدم پیچھے کی طرف بڑھائے۔"

شہریار میں نے کہا چابی دو" اب کہ چبا چبا کہ بولا۔

احتشام نے زیمل کی طرف آنا چاہا تو شہریار نے ہاتھ کے اشارے سے منا کر دیا۔

"اور میں نے کہا میرے پاس نہیں ہے۔ "

اس نے سکون سے کہا۔ وہ لطف انداز ہو رہا تھا جب کہ باقی دونوں کی جان آ تکی ہوئی تھی۔ زیمل خاموشی سے احتشام کے آگے جا کہ کھڑی ہو گئی اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا۔ احتشام نے ایک نظر اس کے ہاتھ کو دیکھا دوسری نظر اس کی کھا جانے والی آنکھوں کو۔ پھر اپنی بھلائی چاہتے ہوئے چابی خاموشی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا دی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

زیمل نے چابی لے کہ اس کے سینے پہ مکا مارا اور چابی صارم کی طرف بڑھا دی۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے حکم سدر کیا۔ "میرے آنے تک سب اپنی جگہ پہ ہو۔" اور ایک نظر شہریار کو دیکھا۔ وقت تھم گیا اور شہریار، شہریار بھی تھم گیا وقت کے ساتھ۔ وہ آنکھیں، وہ سنہیری آنکھیں اسے چند سمے کے لیے وقت میں پیچھے لے گئی تھی۔ وہ سنہیرے آنکھیں اب مسکرا رہی تھی۔ لڑکی کا چہرہ دھندلا تھا۔ لڑکا منہ بسورے بیتھا تھا۔ لڑکے کا چہرہ واضح تھا۔ پیچھے کے پھول بھی کھل اتھے تھے لڑکی کو مسکراتا دیکھ۔ کیا تم جانتے ہو وہ کون ہے؟ وہ آرزو کے مسافر ہے۔ اس وقت ان دونوں کے دلوں میں ایک آرزو نے جنم لیا

تھا۔ دونوں مختلف تھی۔ بے حد مختلف۔ ایک کے دل میں دوسرے کا سر پھارنے کی آرزو نے سر اٹھایا تھا تو دوسرے کے دل میں ان سنہیری آنکھوں والی پچی کو دھونڈنے کی آرزو نے سر اٹھایا تھا۔ تمام سوچوں کو جھٹک کر وہ کام کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسے اب کرنا تھا ورنہ اس کی خیر نہ تھی۔ چند منٹ بعد وہ دونوں ساتھ مل کہ کیبن کی حالت بہتر کر رہے تھے اور صارم ان کو دیکھ کر لطف اٹھا رہا تھا۔ اور لیں اس کے ساتھ پنگے۔ احتشام اور شہریار دونوں اسے ایک ایک بار زہر آلود نظروں سے نواز چکے تھے مگر یہاں پرواہ کسے تھی؟

"اس کا کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ زیمل کا فایئدہ اٹھا رہا ہے۔" احتشام نے سرگوشی میں شہریار سے کہا۔

شہریار نے اپنے کام کرتے ہاتھوں کو بریک لگائی اور اسے دیکھا۔

"تم۔۔ تم زیمل سے ڈرتے ہو؟"

اور ایک قہقہ لگایا۔ صارم نے اسے کوئی دماغی مریض سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ احتشام کے تو کان بھی سرخ ہو گئے۔

"کہہ تو تم اسے رہے ہو جیسے تم خود نہیں ڈرتے۔" وہ بھی احتشام تھا ہمیشہ سے حساب برابر کرنے والا۔

"ہاں تو میں نہیں ڈرتا اس سے، عزت کرتا ہو اس کی وہ الگ بات ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا اور دل ہی دل میں دعا کی کہ زیمل کو یہ بات نہ پتہ چلے۔ احتشام کچھ کہتا اس سے پہلے ہی صارم نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"اوئے کام کرو ورنہ زیمل کا بلا لاؤ گا" احتشام اور شہریار نے آنکھیں گھمائی۔ وہ تینوں ابھی یوں لگ رہے تھے جیسے چھوٹے بچے ہو۔ کچھ لمحے بعد زیمل کیبن میں آئی تو حالت پہلے سے بہتر تھی۔ احتشام اور صارم کرسی پر دھیڑ تھے جب کہ شہریار اپنے لیپ ٹپ پر جھکا ہوا تھا۔ زیمل نے گہرا سانس لے کہ ہاتھ میں پکڑی فائیل میز پہ رکھی تو سب متوجہ ہوئے۔"

صارم یہ اس لڑکے کے ہاتھ پہ بنا ٹیٹو تھا، کیا تم دیکھ کہ بتا سکتے ہو کہ اگر ہماری اس سے کوئی مدد ہو سکے۔ "

اس نے صارم کو مخاتب کر کہ کہا۔ جو ان کی ایجنسی کا سب سے بہترین ہیکر تھا۔ صارم نے ایک نظر فائیل کو دیکھا اور سر ہلا کر اپنے کمپیوٹر کی طرف بڑھ گیا۔ زیمل نے اب کہ احتشام کو مخاتب کیا

۔"کیا تم ان دونوں کی مزید تفصیلات سے مجھے مطلعہ کر سکتے ہو؟"

احتشام نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ زیمل خود بھی کام میں غرک ہو گئی اور شہریار اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ اس کے پاس گیا اور اس کی ٹیبل پر جھکا۔ صارم اور احتشام کام میں غرک تھے انہوں نے نہیں دیکھا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے میڈم؟" اس نے ہلکی آواز میں پوچھا تا کہ اس کہ علاوہ کوئی نہ سن سکے۔

زیمل نے کام روک کر اسے دیکھا۔ "اُف چین کیوں نہیں لینے دیتا یہ سر درد۔ "

وہ دل میں بربرائی اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ ہی کہ اپنا منہ بند کر کہ اپنا کام کرو۔ "

شہریار مسکرایا۔اس کی مسکراہت بہت دل فریب تھی۔وہ مسکراتا تھا تو لگتا تھا کہ خدا نے اسے الگ سے وقت دے کہ بنایا ہے۔"

مگر میرا کام تو مجھے تم نے بتایا نہیں۔"زیمل نے اسے گھورا۔

"میں کیوں دو؟لیڈر تو تم ہو نہ؟"اس نے ابرو اٹھا کہ بولا

۔"بیشک میں لیڈر ہو مگر چلتی تو تمہاری ہے نہ۔"

اس نے ساتھ رکھی کرسی گھسیت کے اپنی طرف کی اور اس پہ بیٹھ گیا۔زیمل نے بہت کچھ بولنے کا ارادہ کیا مگر پھر دماغ میں کچھ کلک سا ہوا۔

"شہریار کیا ہم نے وہ گلی انسپیکٹ کی تھی جہاں سے وہ بھاگا تھا؟"اس نے اب کہ بار سنجیدگی سے کہا۔شہریار بھی سنجیدہ ہو گیا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں،احتشام کو لگا تھا کہ ادھر کوئی ہے تو اس نے منا کر دیا تھا۔"

اس نے جہاں اپنی بات مکمل کی وہاں زیمل اپنی کرسی سے اٹھی۔

"اُٹھو ہم نے ادھر جانا ہے۔"اسے بیٹھا دیکھ کر کہا۔شہریار بھی فوراً کھڑا ہو گیا۔

صارم اور احتشام اب بھی بے خبر تھے۔کچھ لمحے بعد وہ اسی پتلی گلی میں کھڑے تھے اور ایک ایک کونہ باریکی سے چھان رہے تھے۔زیمل ایک کونے میں جھکی اور ادھر پڑے لال رنگ کے کپڑے کا پھٹا ہوا

تکڑا اٹھایا اور پلاسٹیک بیگ میں ڈال دیا۔ وہ گلی شروع میں پتلی تھی مگر آگے جا کہ خاصی کھلی تھی۔ زیمل نے آگے کی طرف احتیاط سے قدم بڑھائے۔ ابھی وہ کچھ قدم چلی تھی کہ اسے کسی کی لمبی لمبی سانس لینے کی آواز آئی۔ اس نے پیچھے مڑ کہ دیکھا تو شہریار اس سے دس-بارہ قدم پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے اس کو ہاتھ کہ اشارے سے ہلکے ہونے کا کہا اور دوبارا چلنا جاری رکھا۔

گلی کے موڑ پہ اسے کوئی دیکھا اور اس سے کہ پہلے وہ اسے پہچان پاتی وہ بھاگ گیا اس نے اسے آواز دے کہ رکنے کا کہا۔

"اے رکو ورنہ گولی چلا دو گی۔" مگر وہ نہ روکا۔ زیمل نے اپنی گن نکال کر اس کے پاؤ کا نشانہ لیا اور شوت کر دیا۔ وہ لڑکا بڑی طرح لڑکھڑا کر گرا۔ زیمل اور شہریار بیک وقت اس کی طرف بھاگے۔ اس نے سیاہ ہوڈی لے رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ واضح تھے اور وہ جلا ہوا تھا جس کے قریب ایک ٹیٹو بنا تھا۔ اور اس عجیب ٹیٹو کے اوپر ہلکا سا مگر گہرا کٹ لگا تھا۔ اس نے اس کی ہوڈی اتاری تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔ شہریار اور زیمل نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا۔

" تم۔۔ تم تو بلال کے بھائی ہو نا؟" ان کو اب بھی یقین نہ آرہا تھا۔ وہ درد سے بڑی طرح بے حال ہو رہا تھا۔ زیمل اور شہریار نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کیا اور اسے لیے گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

وہ پیچھے کی طرف بیٹھایا گیا تھا جب کہ زیمل اور شہریار آگے بیٹھے تھے۔ شہریار نے درائو کرتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ کوئی نمبر ملا رہی تھی۔ رابطہ ملنے پر صارم کی آواز ابھری۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہیلو؟"

"صارم جو لوکیشن سینڈ کی ہے احتشام کے ساتھ ادھر 5 منٹ کے اندر اندر پھنچو۔" اور فون کاٹ دیا۔ زیمل نے لوکیشن شہریار کو بھی بھیجی اور وہ اشارہ سمجھ کر گاڑی کا رخ موڑ گیا۔

وہ لوگ ایک سنسان فیکتری میں کھڑے تھے۔ وہاں دور دور تک کسی انسان وجود کا ہونا ناممکن تھا۔

وہ چاروں کرسی پہ دھیڑ ہوئے شخص کے گرد دایرہ بنائے کھڑے تھے۔ اور کرسی پہ بیٹھا وہ شخص پہلے جیسا نہ تھا۔ اس کا چہرہ بری طرح سے زخمی تھا۔

" شادان مرزاء۔۔" شہریار نے اسے اس کے نام سے پکارا۔

" اگر اگلے 5 سیکینڈ میں تم نے سب کچھ نہ اُگلا تو تمہاری اس معصومہ شکل کا میں نقشہ بیگاڑ دو گا۔" شہریار نے دانت پیس کہ کہا اور یاد رکھنا جو وہ کہتا ہے وہ کر کہ دیکھاتا ہے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

" بتاتا ہوں بتاتا ہوں پلز مجھے مت مارنا۔" وہ شکل سے صرف بیس برس کا لگتا تھا۔

اور اس کی آدھی شکل وہ چاروں مل کہ بیگاڑ چکے تھے۔

"ہاں۔۔ میں نے ہی مارا تھا بلال کو۔"

"کیوں مارا تھا وہ بتاؤ۔ یہ کوئی سی آئی ڈی شو نہیں ہے جہاں تمہارے فضول دایئلوگ ہم سنے گے۔" احتشام نے تنگ کے کہا۔ زیمل نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ دوبارہ بولنا شروع ہوا۔

"اس نے۔۔۔اس نے میری یعنی اپنی ماں کو مارا تھا۔۔ماں تھی وہ اس کی، جیسی بھی تھی لیکن ماں تو تھی نہ اس نے اپنی ماں کو اس طرح مارا کہ ان کا وجود غسل دینے کے قابل نہ رہا۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

" تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اسی نے مارا ہے تمہاری ماں کو؟ "

صارم نے سکون سے پوچھا، وہ یقیناً پہلے سے جانتا تھا مگر وہ چاہتا تھا کہ اس کے باقی کے ساتھی بھی جان جائے۔

"سی سی ٹیوی کیمرہ سے۔وہ کرمنل بھی نہ بن سکتا تھا اسے تو ثبوت بھی متانے نہیں آتے" وہ ہسہ۔اس کی ہسی خوفناک تھی۔

" بکواس نہیں کرو سیدھی بات کرو۔" احتشام کا صبر اب جواب دے رہا تھا۔

"اسے مارنے سے پہلے ڈیڈ کا دنیا سے جانا لازمی تھا۔میں نے ان کو پہلے دنیا سے رخصت کیا اور پھر بلال کو۔ اگر تو وہ میری ماں کی بقایہ جائیداد دے دیتا تب میں اسے بخش دیتا مگر اس نے نہیں دی اس قاتل نے وہ بھی رکھ لی۔" زیمل کا تو سر گھوم رہا تھا۔اتنی نفرت؟۔

"اس کی ایک بیٹی تھی بیوی تھی۔تم اسے مارنے کے بجائے پولیس سے مدد لے سکتے تھے۔قانون کو تورنا لازمی نہیں تھا، تم چاہتے تو تم قانون سے مدد لیتے مگر ایک دماغی مریض سے یہی امید کی جاسکتی تھی۔" صارم نے افسوس سے کہا تھا اور باقی سب اسے دیکھ رہے تھے۔یہ کمینہ جانتا تھا؟ احتشام دل میں بربڑایا۔

" اس ملک میں کوئی قانون نہیں ہے۔ میں گیا تھا میں سب کے پاس گیا تھا مگر سب نے مجھے ٹال دیا کہ کیس کافی پرانہ ہے ثبوت مت گئے ہو گے۔ "

زیمل نے نفی میں سر ہلایا۔

" تم ان سب کے پاس گئے تھی جن سے تمہیں ناں کی امید تھی تا کہ تمہیں بہانہ مل سکے۔ اور اگر اس ملک میں قانون نہ ہو تا نہ تو تم آج واقعی زندہ نہ ہوتے۔" اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ دوسرے ایجنتس کو بلایا تو وہ اسے اٹھا کہ لے گئے۔ اب لگنی تھی شامت صارم کی۔

" اوکے اوکے چیل میں بتانے والا تھا۔ دیکھو پلیز مجھے کچھ مت کہنا۔" اس نے ہاتھ اٹھا دیے تھے وہ ان تینوں سے لڑ نہیں سکتا تھا ورنہ اسے یہ گلٹ کھا جاتا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے لڑا تھا۔ شہریار نے احتشام کو روکا اور ہاتھ باندھ کے اس کے سامنے کھڑا ہوا۔ ناضرین کا خیال تھا کہ اب کوئی فرمائیش رکھی جائے گی جس کے بدلے اسے بخشہ جائے گا

۔"اوکے ٹھیک ہے ہم کچھ نہیں کہتے مگر ایک شرت پہ کہ تم ہمیں ٹریٹ دو گے اس کیس کی جو "تم" نے سالو کیا ہے۔" احتشام اور زیمل بھی ڈھیلے پرے۔

" اوکے ٹھیک ہے۔ کل ویسے آف ملے گا تو میں کل دے دو گا تم سب کو۔" اس نے اپنی جان بچانا پیسہ بچانے سے بہتر سمجھا۔ وہ چاروں ایسے ہی لڑتے جھگرتے ایجنسی آ گائے اور اب اپنے کیبن میں بیتھے

بلاوے کا انتیظار کر رہے تھے۔ زیمل اور صارم اپنی باتوں میں مگن تھے جب کہ احتشام اور شہریار ایک طرف کونے میں لگے ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ کیا واقعی ایک دوسرے کو؟

"اوئے کیا سوچ رہے ہو" احتشام نے چمگم چباتے ہوئے سرسری سا پوچھا تھا مگر وہ بری طرح چونکہ تھا۔

"میں؟ میں یہ سوچ رہا ہو کہ اتنی پکی دوستی ہماری صارم کے ساتھ نہ ہے جتنی زیمل کی ہے۔" وہ شہریار تھا سمبھل گیا تھا۔ احتشام نے اس کی بات پہ پیچھے مر کہ دیکھا تھا۔

" تو ظاہر ہے وہ اس کا بچپن کا دوست ہے۔" اس نے دیھیان نہ دیا ورنہ یہ موجزہ تھا کہ اس نے کسی لڑکی کے متعلق زکر کیا ہے۔"

ہاں مگر بچپن کا دوست تو میرا بھی ہے نہ۔" اس نے منہ بنا کہ کہا۔

" غلط، میری جان بچپن کا دوست نہیں دشمن۔ تم نے اگر کبھی اس سے دوستی کا سوچھا ہوتا نہ تو خرم اور یہ تمہارے ساتھ ہوتے۔ ہاں مانتا ہو میں وہ دل کا اچھا ہے اس لیے اب بھی تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے ورنہ اسے چاہیے کہ تمہاری شکل بیگاڑ دے۔" وہ اپنی دھند میں کہہ رہا تھا یہ نہ جانتے ہوئے کہ اس کا ہر لفظ اس کی روح کو زخمی کر رہا تھا۔

" ہاں تو میری دوستی ایسی ہی ہے۔ اب جو جھیل سکے جھیل لے۔ اور مائینڈ یو، خرم نے ایک لڑکی کی وجہ سے ہم دونوں سے دوستی توڑی تھی۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے جزبات چھپانے میں ماہر تھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

" بلکل وہی لڑکی نہ جس سے تم دونوں کی بھی دوستی تھی؟ اور خرم کے دوستی توڑنے کے بعد وہ کبھی نظر نہیں آئی؟" اس نے بھی دوبدو جواب دیا۔

" اے اس کے بارے میں کوئی بکواس کی نہ تو میں منہ توڑ دو گا تمہارا۔" وہ اس کا گریبان پکڑ چکا تھا۔ احتشام استیہازہ ہسہ۔"

ریلاکس مانا میں تمہارا بچپن کا دوست نہیں ہو مگر میں اس لڑکی کی دل سے عزت کرتا ہو۔" اس نے شہریار کو تھنڈا رکھنا چاہا۔" اونہہ" اس نے سر جھٹکا۔

"ویسے مجھے پتہ ہے تمہیں پرسنل سوال نہیں پسند مگر تم اس لڑکی سے اتنے ایچ کیوں ہو؟"

"جب تمہیں معلوم ہے تو کیوں پوچھ رہے ہو" دانت پیس کر کہا۔

"دوست ہو یار تمہارا، صارم جتنا پرانا نہیں مگر کالج تایئم سے جانتا ہوں تمہیں، اتنا تو پوچھ سکتا ہو۔" اس نے افسردہ لہجے میں کہا

۔"بکواس نہیں کرو۔ بیوی نہیں ہو تم میری جو تمہیں ہر بات بتاتا پھیرو" بے نیازی سے کہا۔

"میں نہیں ہو تو ویسے بھی کوئی نہیں ہے کنوارے ہی ہو تم 30 برس کے ہونے والے ہو اور ابھی تک۔۔" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"چپ کرو بیوی نہیں تو ماں بننے کی کوشش مت کرو، اور تم کونسا شادی شدہ دو بچوں کے باپ ہو؟" حساب برابر کر کے وہ وہاں سے صارم کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اس کی بکواس تو بند ہونی نہیں تھی۔

" پورے آٹھ مہینے چھوٹا ہو میں تم سے بڑھے۔ "

احتشام نے بھی پیچھے سے حانک لگائی۔ شہریار نے آنکھیں گھمائی۔

" کیا اجازت ہے میں آجاؤ؟' اس نے ان کے قریب پہینچ کر کہا۔

" کیوں کیا وہ پھر سے تمہاری بیوی بننے لگ گیا؟" جواب صارم نے دیا تھا۔

"ہاں۔ مجھے تو شک ہے یہ مجھ سے شادی کرنے کے چکڑ میں ہے" اس نے جل کے بولا۔

"اے میری کیا برائیاں کر رہے ہو؟" احتشام نے ان کے سر پر کھڑے ہو کر پوچھا۔

"سن لینا ٹیپ ریکورڈر پر۔" زیمل نے لاپرواہی سے کہا۔ ابھی جنگ شروع ہونی تھی کہ کوئی ان کہ کیبن میں جھانکا۔ وہ ماشہ تھی، زیمل سے اتنا جلتی تھی کہ اس چیز کا علم پوری ایجنسی کو ہو گیا تھا، وجہ تھی وہ تینوں مرد۔ جو اس کے علاوہ کسی اور کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے اور وہ اس لیے کیونکہ زیمل باقی لڑکیوں کی طرح نہیں تھی۔ وہ کام والی جگہ کو کام کی حد تک رکھتی تھی۔ مگر سب اس کی خوبصورتی وجہ سمجھتے تھے اور بے شک وہ غلط سمجھتے تھے۔

" آں آپ چاروں کو محمود سر بلا رہے ہے۔" اور وہ کہہ کہ رکی نہیں چلی گئی۔ ان چاروں نے گہرا سانس لیا اور ایک ہو کے آگے کو بڑھ گئے۔ سب سے آگے ان کا لیڈر شہریار تھا۔ اس کے پیچھے احتشام، زیمل اور پھر آخر میں صارم۔ آفس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے بھاری آواز سنائی دی۔ "کم ان" وہ ان کے منتظر ہی لگتے تھے۔ انہیں بیٹھنے کی دعوت دینا انہوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ وہ اپنے اسی اکھڑے پن کی وجہ سے ایجنسی میں مشہور تھے لیکن اگر تم ان سے بات کرو تو وہ ایک مہربان شخص معلوم ہوتے تھے۔

"مجھے لگا تھا یہ ایک مشکل کیس ہے مگر تم لوگوں کے لیے مشکل کیا ناممکن کیا؟" انہوں نے دبے لفظوں میں ان چاروں کی تعریف کی اور باہر کھڑے تمام افراد جل کے رہ گئے تھے۔ وہ کبھی کسی کی تعریف کر دے ایسے ممکن نہیں۔ اور اس ٹیم کی علاوہ کسی کی کر دی تو معجزہ سمجھنا۔ ان کی ٹیم آلفہ (alpha) کے نام سے جانی جاتی تھی۔ بلکہ ان کی ٹیم کا نام ہی یہ تھا۔ ان چاروں کے تاثر سنجیدہ ہی رہے انہیں اپنی تعریفیں سننے کی عدات تھی مگر چاہ نہیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کل تم لوگوں کو میں اپنی مہربانی سے ایک چھوٹی سے نواز تا ہو۔ یہ کیس شاید ہی کوئی اتنا جلدی کر پاتا جتنا تم نالائقوں نے کیا ہے۔ اسی لیے یہ میرا تحفہ سمجھو۔" ان کی بات کے بیچھ میں ان تینوں نے آخر میں کھڑے صارم کو دیکھا تھا۔ "اسے سب کیسے پتہ چل جاتا ہے۔" ان تینوں نے بیک وقت سوچا اور صارم نے بمشکل اپنی مسکراہت چھپائی۔

" جی شکریا باس۔" ان چاروں نے ایک ساتھ کہا تو وہ مسکرائے۔

"اب تم لوگ جاسکتے ہو۔" یہ کہہ کے وہ کام کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کی بارعب شخصیت صرف ان کے سامنے نرم پرتی تھی۔ وجہ ان کی دھیٹائی تھی۔ وہ محمود کے پہلے طالبہ تھے جن کو انہوں نے ترینگ دی تھی۔ اور ان کو ترینگ دیتے ہوئے ان کا دل چاہا تھا ماں کی گود میں بیٹھ کے روئے۔ وہ بلکل ان کے جیسے تھے۔ مگر وہ دل سے محمود کی عزت کرتے تھے۔ استاد تھے وہ ان کے۔ باقی کے ترینرز انہیں کبھی ان کی طرح نہ ملے۔ وہ مضبوط ترینگ کے بعد ہوئے مگر وہ چاروں پہلے ہی مضبوط اعصاب کے لوگ تھے۔ اور وہ چاروں محمود کو اپنے بچوں جتنے پیارے اور دل کے قریب تھے۔ راہدری عبور کرتے ہوئے ان کے چہرے سنجیدہ تھے جیسے انہیں فرق نہ پڑا مگر ان کی خوشی کی انتیہانہ تھی انہیں خاص موقوں پہ بھی محمود چھٹی نہ دیتے تھے جب کہ باقی سب کو وہ دے دیتے تھے۔ بہت سے ایجنتس ایک دوسرے کے کانوں میں ان کا موضوع چھیڑے بیٹھے تھے مگر وہ بے نیاز اور عادی تھے۔ کیبن میں پہنچ کر ان چاروں نے زور کا قہقہ لگایا۔

" کین یو بیلواٹ؟ ہمارے خروس باس نے ہمیں چھٹی دی ہے۔" احتشام نے عادت سے مجبور ان کے زمانے مشہور لقب سے پکارا۔

"ویل اب اتنے بھی خروس نہیں ہے ہمارے استاد، مائینڈ یو احتشام۔" صارم نے ناک چڑھا کر کہہ تو سب نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے سر پہ آ کھرے ہوئے۔

" تمہیں کیسے پتہ تھا باس چھٹی دے دے گے؟" زیمل نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بتا رہا ہو یار خوش تو ہو جاؤ تم لوگ پہلے۔" سانس لی اور ان سب کی کھا جانے والی نظرون سے نظر چڑا کر کہا۔

" وہ میں نے درخواست کی تھی تو انہوں نے ایک شرط رکھی جو تھی کہ پرسو ہمیں دوبارہ ایک کیس اپاؤنٹ کیا جائے گا۔ میں اسی لیے کہہ رہا تھا پہلے تم لوگ خوش ہو جاؤ" ان کی زہر آلود نظروں کو دیکھتے ہوئے اس نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"تم صارم۔ تم ایک نمبر کے کمینہ انسان ہو" احتشام نے کچھ سخت کہنے سے پرہیز کی۔ زیمل اور شہریار نے بھی اس کی تائید کی۔

"واقعی کتنے کمینہ انسان ہو تم صارم" زیمل نے اس کو گھور کے کہا۔

" حد ہو گئی ہے تمہاری والی تو اب صارم۔ ہم سے مشوارہ کرنے میں کون سی موت آ رہی تھی۔" ان تینوں کا بس نہیں چل رہا تھا اس کا گلہ دبا دے۔

"ارے ارے رکو میری بات تو سن لو یار۔" صارم نے ان کو باز رکھنا چاہا۔

"میں مزاق کر رہا ہو یار، باس نے میری درخواست سو منتوں کے بعد قبول کر لی تھی یار کوئی کیس چھیس نہیں مل رہا فل حال۔" وہ تینوں اس کے سر کے اوپر سے ہٹ گئے اور ایک کونہ میں جا کہ کھڑے ہو گئے گویا اب اس کا اور ان کا رابطہ کل تک کے لیے ملتوی کر دیا ہے۔

"مجھے اس پہ رتی بھر بھی بھروسہ نہیں ہے۔" احتشام کے لہجے سے بھی یہ واضح تھا۔

"ابھی کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ دل کا بہت اچھا ہے۔۔" شہریار کہا باز آنے والا تھا۔

"دل کا اچھا مگر دماغ کا کچا ہے وہ۔" زیمل نے آنکھیں گھما کر کہا۔ اور پھر موضوع صارم آ گلے 2 گھنٹے تک جاری رہا۔ وہ تو انہیں تب ہوش آیا جب پتہ چالا کہ وہ خود کیبن میں نہ تھا۔

" وقت کیا ہو رہا ہے؟" شہریار نے اسے نہ پا کہ پوچھا۔

" تقریباً سات بج رہے ہے۔" احتشام نے اپنی ہاتھ میں بندھی گھڑی کو دیکھ کر کہا۔

"اُف ایجنسی کو بند ہونے میں صرف 15 منت ہے۔ جلدی چلو ورنہ رات یہ ہی گزارنی پری گی۔" زیمل نے ان کے سر پر بم پھورا تو وہ ہوش میں آئے اور پھر کیبن لاک کر کے باہر کو نکل گئے۔ احتشام گاڑی لے کہ کب کا نکل چکا تھا اور تقریباً پوری ایجنسی خالی تھی جب کہ زیمل کو اپنی گاڑی نہیں مل رہی تھی۔ وہ اور شہریار اس کی گاڑی پوری پارکنگ لوت میں دھونڈ چکے تھے مگر وہ کہیں نہ تھی۔ شہریار خود بھی نہ جانتا تھا وہ کیوں ہے اس کے ساتھ۔ شاید وہ دوست ہے اسی لیے؟ کیا واقعی وہ دوست ہے؟ یا پھر ایک دوسرے کے دشمن؟ یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

"اُف کون کمبخت میری گاڑی لے گیا۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا اسی شخص کو زندہ زمین میں گاڑھ دے۔

"میں تمہیں دراپ کر دیتے ہوں گاڑی کی کملینت درج کروا دینا۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"نہیں شہریار۔۔ وہ عام گاڑی نہیں تھی۔۔ وہ بس مجھے بہت عزیز تھی۔۔۔" اس کا شدت سے دل چاہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کہ روئے۔

" اچھا اچھا کیا تم نے پیچھلے حصہ پہ جا کہ دیکھا؟" وہ دونوں پاس ہی کھڑے تھے۔ دونوں کے چہروں پہ فکر تھی۔

"نہیں مگر میں نے ادھر ہی پارک کی تھی گاڑی لیکن دیکھ آتے ہیں۔" ان دونوں نے ساتھ ساتھ قدم پیچھلے حصہ کی طرف بڑھائے۔ جیسے ہی داخلی دروازے پہ پہنچھے وہ سامنے ہی نظر آ گئی۔ مگر زیمل کے قدموں سے جیسے زمین پھسل گئی۔ گاڑی وہی تھی اور اس کے سامنے تھی مگر اس کا نقشہ بدل چکا تھا۔ زیمل کا دل جیسے تکڑوں میں بت گیا، یہ وہی گاڑی تھی جس کا اس نے اپنے بچوں کی طرح خیال رکھا تھا۔ گاڑی بہت بدتر حالت میں اس کے سامنے تھی۔ وہ چمک جو اس کی گاڑی پہ نظر آتی تھی وہ اب نہیں تھی کیونکہ اس کے شیشے جگہ جگہ سے توتے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ سے اس کے پینت کو اخارا ہوا تھا۔ ایسے جیسے ابھی ابھی اس گاڑی کا ایکسیدینت ہوا ہو۔ زیمل کے آنکھوں میں سرخی تھی، بھلا بے جان چیزوں سے دشمنی کون نکالتا ہے؟ وہ گاڑی اسے کس قدر عزیز تھی بس وہی جانتی تھی۔ اس نے اپنی جان سے بڑھ کر اس کا خیال رکھا تھا اور اب اسے یوں دیکھنا۔۔ زیمل کو لگا جیسے اس نے اپنی موت دیکھ لی ہو۔

وہ نیچھے گرتی چلی گئی اس تھندے یخ فرش پر۔ وہ فرش ہڈیوں کو جمانے کے لیے کافی تھا مگر کیا اسے پروا تھی؟۔ اسے گرتا دیکھ شہریار اس کی طرف بھاگا۔

اسے اس نے کندھوں سے تھامنا چاہا پھر رک گیا۔ وہ تو سن ہو گئی تھی۔ اس کی پتھرائی آنکھیں ادھر ہی جمی تھی۔

" زیمل سمبھالو اپنے آپ کو۔۔ وہ صرف ایک گاڑی ہے" اسے نہیں سمجھ آرہا تھا وہ کیا کرے۔

" وہ صرف گاڑی نہیں تھی۔۔ وہ میرے باپ کی آخری نشانی تھی۔۔ آخری تحفہ تھی وہ گاڑی۔" شہریار کچھ بول نہ سکا۔ وہ کیا ہی بولتا؟ وہ جانتا تھا۔ وہ گزر چکا تھا اس سب سے۔

اس کیفیت میں الفاظ کو ضرورت نہیں ہوتی۔ اکیلے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

زیمل اندر چلو باہر بہت تھنڈ ہے۔" زیمل اٹھی۔ اندر جانے کے لیے نہیں گاڑی کے پاس جانے کے لیے۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی کے پاس پہنچی اور اسے کا دروازہ کھولا۔ سامنے ستیرنگ ویل پہ ایک سٹکی نوٹ لگا تھا۔ جس پہ واضح لکھا تھا

" یہ تو بس ایک جھلک تھی کہ میں کیا کر سکتا ہو ڈارلنگ "(darling) وہ لکھائی بلکل کسی روبوٹ کی لگتی تھی، بلکل کسی مشین کی لکھی گئی کیونکہ وہ پرنٹڈ تھی۔ زیمل کے ہاتھ اس کاغذ پر جم گئے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ یہ کون تھا؟ اور وہ بھی اسے اس طرح بلا رہا تھا۔ وہ کیا چاہتا تھا؟ اسے فل وقت کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ زیمل کا سانس بند ہونے لگا تھا، اسے سمجھ نہ آرہی تھی وہ کیا کرے؟ تب ہی

شہریار اس کے ہاتھ سے چٹ لے کہ پڑھی اور اسے دیکھا جو پتھرائی آنکھوں سے اب تک گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا وہ اس سے پوچھے کہ کیا وہ اسے جانتی ہے مگر اس کی حالت دیکھ کہ اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

"زیمل۔۔ زیمل چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہو۔ اسے ہم مرمت کرنے لیے دیں دے گے یہ ٹھیک ہو جائے گی تم آؤ۔" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے کیسی بچہ کی گاڑی پچک گئی ہو اور وہ اسے نئی دلانے کا وعدہ کر رہا ہو۔ زیمل نے اسے دیکھا اور پھر گہرا سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ وہ اب سمبھل چکی تھی اب اس کا شاک ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ قبول کر چکی تھی جو اس کے ساتھ ہوا تھا۔ میں نے کہا نہ وہ مضبوط اعصاب والی عورت تھی۔ خود کو سمبھالنا جانتی تھی۔

" آئی ایم سوری تمہیں میری وجہ سے دیر ہو گئی ہے۔ تم چلے جاؤ میں کیب سے آجاؤ گی۔" وہ کسی پہ بوج نہیں بننا چاہتی تھی کہ اس کہ اوپر خود بھی بہت بوج تھا۔ رازوں کا بوج۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں تم آجاؤ میں تمہیں چھوڑ آؤ گا میرا کون سا کوئی انتیظار کر رہا ہو گا۔" اس کے منہ سے پھسلا تھا آخری جملہ۔

"کیوں تمہاری بوا کیا گھر نہیں ہے؟" زیمل کو وقتاً یقین نہ آیا تھا۔ وہ چاروں ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے رہتے تھے وہ باخوبی واقف تھے ایک دوسرے سے مگر ظاہر نہیں کرتے تھے۔

" آں نہیں تم چلو اس کا بندوبست میں کروادو گا۔" زیمل سمجھ گئی کہ وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا اس نے ایک نظر اپنے سیاہ گاڑی کو دیکھا دوسرا اپنے خالی ہاتھوں کو۔ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا۔

" چلو۔ نہیں میں تمہیں اغواہ نہیں کر رہا۔" زیمل نے اسے گھورا اور اس کی گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ شہریار مسکرایا، وہ جانتا تھا کہ اب وہ بہتر ہے۔ وہ بھی اس کے پیچھے کو ہو لیا۔ گاڑی اپنی منزل کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ زیمل منہ موڑے باہر دیکھنے میں مشغول تھی۔ جہاں عمارتیں تیزی سے آ کے گزر رہی تھی یا گاڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ باہر کی تازہ ہوا اپنے کھنڈر وجود میں اتارنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اس کے اندر ایک جنگ چھیری تھی۔ اپنے ہی خیالوں سے اس کی ایک اندرونی جنگ، جو اس کے چہرے سے واضح ہونا ناممکن تھی۔ شہریار پورے راستہ خاموش تھا اسے کچھ پریشان کر رہا تھا اور وہ نہیں جانتا وہ کیا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" زیمل نے آہستہ سے کہا تو اس نے چونک کہ اسے دیکھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

" یہ ہی کہ اب تم مجھے اس سب کہ بدلے کیا کہو گی؟" اس نے شرارت سے کہا۔ زیمل نے آنکھیں گھمائیں اور واپس باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

" میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے اور ہمارے دشمن یقیناً ایک ہی ہے تو یہ جو کوئی بھی تھا صرف تم سے ہی کیوں دشمنی نکال رہا ہے؟" اس نے سڑک پر نگاہیں مرکوز کیے اس سے سوال کیا۔

"نہیں، یہ صرف میرے دشمن ہے شہریار۔ ان کا تم سے کوئی تعلق ہے نہ صارم اور احتشام سے" شہریار نے رک کہ اسے دیکھا وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی تھی۔

" اور مائنڈ یو تم بھی میرے دشمنوں میں سے ہی ہوں" شہریار نے آنکھیں گھمائیں" دشمن سے مدد کون لیتا ہے بھلا" دل میں بڑبڑا کر اس نے اپنا اگلا سوال کیا جو اسے تھٹک رہا تھا۔

"تم جانتی ہو وہ کون لوگ ہے؟" اسے وقتاً حیرانگی ہوئی تھی۔

" ہاں میں جانتی ہوں وہ کون ہے مگر میں نہیں جانتی وہ کون لوگ ہے۔" شہریار نا سمجھی سے اسے تک رہا تھا۔ اسے لگا وہ شاک میں ہے اسے لیے ایسے باتیں کر رہی ہے۔

"نہیں میں پاگل نہیں ہو گئی اور نہ ہی میں شاک میں ہو شہریار۔ میں جانتی ہو وہ کون لوگ ہے مگر میں نہیں جانتی کہ ان کے "نام" کیا ہے۔" اس نے رخ نہیں موڑا وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ شہریار نے گھبرا کر رخ دوبارہ سامنے کی طرف کر لیا۔ یہ واقعی جادوگرنی ہے اسے کیسے پتہ میں کیا سوچ رہا ہو؟

"اچھا۔ تو تم پتہ کیوں نہیں لگاتی ان کا؟ وہ تمہارے خاندان کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہے" اس نے سادہ لہجے میں کہا۔

زیمل نے ایک گہری سانس لی اور اس کی طرف رخ کیا۔ مگر وہ اس کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

" وہ جتنا میرے خاندان کا نقصان کر چکے ہے نہ اس کے بعد ان کے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا۔ رہی بات تو میں ان کا پتہ کیوں نہیں لگا رہی تو وہ میرا مسلئہ ہے شہریار" وہ وہی زیمل بن چکی تھی جسے سب جانتے تھے اور جیسی وہ سب کے ساتھ رہتی تھی۔ زیمل حیسب بن چکی تھی وہ اب۔

"اوکے، ویل لیڈی تمہارا گھر آ گیا ہے، گاڑی صبح تک تمہارے پاس ہو گی" اس نے باہر کچھ کھوجتے ہوئے کہا۔

"شکریہ شہریار میری مدد کرنے کا ویسے تم نے احسان نہیں کیا مجھ پہ میں جانتی ہو تمہیں مجھے یوں دیکھ کہ کمینوں والی خوشی ہوئی ہو گی۔" وہ زرا دیر کو رکی۔

"میں تمارے پیٹرول کے پیسے واپس کر دو گی اور گاڑی کے پیسے خود دے دو گی" اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے اسے کہا۔

" ارے پہلے بتاتی نہ، اب تو میں نے پے کر دیا ہے، تم ایک کام کرنا کہ وہ گاڑی والے پیسے مجھے ہی دے دینا میں تمہیں رقم بتا دو گا۔۔۔ ثبوت کے ساتھ تا کہ تم یہ نہ کہو کہ میں نے تمہیں سکیم کیا ہے۔" اس نے اس کا آخری جملا نظر انداز کر کہ کہا۔ اس نے اپنے انداز میں کہا جس کی وجہ سے زیمل اس سے چڑتی تھی اور اب بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ حالانکہ اس نے پے نہیں کیا تھا ابھی اور وہ گاڑی آنے کے بعد کرنے والا تھا، نہ ہی اس کا زیمل سے پیسے لینا کا ارادہ تھا مگر اس نے پھر بھی کہ دیا۔ وہ اپنی چھبتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں میسج کر کے رقم بتا دینا کل تک تمہارے اکاؤنٹ میں ہو گی" اور دروازہ مارنے کے انداز میں اس کے منہ پہ بند کر دیا۔ وہ زخمی سا مسکرایا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ چند لمحوں بعد اس نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روکی۔ اندھیرے میں بھی وہ عمارت چم چما رہی تھی۔ وہ نفرت سے بھری نگاہوں سے اس عمارت کو تک رہا تھا۔ جب کافی دیر بعد بھی وہ اندر جانے کی ہمت نہ کر سکا تو اس نے گاڑی کا رخ ایک سنسان سڑک کی طرف کر دیا جو زرا سی دوری پہ تھی۔ وہاں دور دور تک کوئی عمارت نہ بنی تھی۔ سب زیر تعمیر تھی۔ ادھر کسی کتے کے بھونکنے کی آواز بھی نہ تھی۔ ایک دم خاموش سا علاقہ تھا وہ۔

شہریار نے آنکھیں موند لی اور اپنا سر سیٹ پہ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ چند لمحے کے لیے سکون چاہتا تھا۔

شہریار بچپن سے یہاں آتا رہتا تھا اور شاید ہی ایسا کوئی دن گزرا ہو گا جب وہ ادھر نہ آیا ہو۔ اسے ادھر کبھی ڈر نہیں لگا تھا۔ اس نے ایک بار اپنے باپ سے پوچھا تھا کہ ادھر کبھی کوئی عمارت تعمیر کیوں نہیں ہوئی تو انہوں نے اس سے کہا تھا کہ اس کی دو وجوہات ہو گی۔ یا تو اللہ نہیں چاہتا تھا کہ ادھر کوئی عمارت بنے یا جن لوگوں نے ادھر عمارت بنوانی چاہی انہوں نے اللہ کو خفا کیا تھا۔ اس نے جواب میں بس اتنا کہا تھا

" یعنی یہ جگہ کرسڈ ہے۔۔" اور اس کے بعد اسے یاد نہیں انہوں نے کیا کہا تھا۔

مگر اب اسے لگتا ہے کہ یہ جگہ کرسڈ نہیں ہے مگر سکون ہے۔ کوئی کچھ بھی بولے یا سوچے اسے ہمیشہ سکون ادھر ہی ملا۔ اسے لگتا تھا کہ جب وہ ادھر اجاتا ہے تو اسے کوئی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ اور اسے یقیناً غلط لگتا تھا۔ اس نے سکون بھی تو غلط جگہ ڈھونڈا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کی تو اس بچی کی سنہیری آنکھوں نے

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسے ہر جگہ سے گھیر لیا۔ وہ سنہیری آنکھیں جنہیں وہ سب بھول کہ بھی نہ بھول پایا اور اس کی ایک وجہ زیمل بھی تھی۔ اسے وہ بچی کی سنہیری آنکھیں اور اس کی مالکن دونوں بہت عزیز تھی۔ ان کی وجہ سے ہی اس نے سب ہار کہ دوبارہ جینا شروع کیا تھا۔ وہ مل کر بس ایک بار اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی ٹھیک ہے۔ اس نے آنکھیں کھولی تو سنہیری آنکھیں بھی غایب ہو گئی اور اس کا سحر بھی۔ اسے کچھ یاد آیا تو وہ دھیمے سے مسکرایا۔ وہی نرم اور مخصوص مسکراہت جو صرف اس کے پاس ہوتے ہوئے اس کے چہرے پہ نمودار ہوتی تھی۔

وہ واقعی ان سنہیری آنکھوں کا قرض دار تھا۔ اس نے اپنی گاڑی گھر کے راستے پہ ڈال دی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے مخصوص انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے پاور سیٹ پر شاہنہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں قلم تھا جسے وہ اپنی انگلیوں میں مسلسل گھمار ہا تھا۔ دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہت اس کی باوقار شخصیت کو مزید شاندار بناتی تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا اسی طرح کرسی موڑے بیٹھا رہا۔ کچھ ہی لمحوں میں دروازہ کھلا اور وہ داخل ہوئی۔ اس کے داخل ہوتے ساتھ ہی ایک خوبصورت مہک فزا میں پھیل گئی۔ وہ تب بھی نہ مڑا۔ وہ اس کے برابر والی کرسی پہ آ کے بیٹھی اور مسکرائی۔ پاور سیٹ پر بیٹھا شخص آہستہ سے مڑا۔

" ہیلو مس تیم میٹ" اس نے اپنی خوبصورت آواز میں کہا جو اس کی شخصیت کو مزید پرکشش بناتی تھی۔

"ہیلو مسٹر حیند سم" ان کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ کوئی عام چمک نہ تھی۔ نہ ہی وہ کوئی ایسی چمک تھی جو امیروں کی آنکھوں میں تھی۔ وہ شیطانی چمک تھی۔ اور یہ چمک جن لوگوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے تمہیں چاہیے تم ان سے دور ہو۔ فزا میں عجیب سی بو تھی۔ حسد کی، سازش کی، دھوکے کی۔ وہ عجیب سا ماحول تھا۔ بے چین سا۔

" کیا تم اس سے ملے؟" اس نے اپنی سیاہ آنکھیں سامنے بیٹھے شاندار شخصیت کے مالک پر جما کر بولا۔ اس شخص نے نفی میں گردن ہلائی۔

" نہیں میں اسے ملا نہیں مگر اپنا پیغام پہنچا دیا" اس کے سیاہ بال تھے۔ اور سیاہ آنکھیں۔ اس کی سیاہ آنکھیں بہت سے خوفناک راز اپنے اندر چھپائی ہوئی تھی۔ اور اس کے سیاہ بال؟ وہ اس کے سیاہ کاموں کے گواہ تھے۔ اس کے تھیکے نقوش دل کش تھے اس کی شخصیت کی طرح۔ وہ تمہیں اپنی طرف بار بار دیکھنے پہ مجبور کرنے کی صلاہیت بہ آسانی رکھتا تھا۔ اور اس کی وہ ناک اس کا گرور بیان کرتے تھے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اوہ اچھا۔ ویل یہ ڈرامہ اور کتنی دیر چلنا ہے؟" اس کے لہجے میں بے زاری تھی۔ اور اس کے لہجے میں کہیں دور جلن بھی تھی۔ ایسی جلن کہ اگر اسے موقع ملے تو وہ اس کا ہستی سے نام و نشان مٹا دے۔

" کیوں کیا تم میرا ساتھ دینا نہیں چاہتی اب؟" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا اس کے لہجے سے وقتعاً پتہ لگانا مشکل تھا کہ کیا وہ شرارت سے بول رہا ہے یہ واقعی پوچھ رہا ہے۔

"میں تمہارا مرتے دم تک ساتھ دے سکتی ہو مسٹر ہیندسم۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا تھا کہ اگر وہ چاہے نہ چاہے وہ اس کا ساتھ زبردستی دے گی۔ وہ استہزا مسکرایا

"پھر جلدی کیسی؟" وہ آگے کو ہو کہ بولا۔ مسکراہت کب کی ارنچھو ہو چکی تھی۔

"مجھ سے نہیں برداشت ہوتی وہ" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"کیوں؟ اس نے تمہارا کیا بیگاڑا ہے؟" وہ جیسے وقتاً جاننا چاہتا تھا۔

"اس نے مجھ سے میرے عزیز کو چھینا ہے، وہ مجھ سے کیسے برداشت ہو گی؟" اس کے تاثر میں بھی تلخی گھل گئی تھی۔

" اوکے اور تمہیں کوئی کام ہے؟" اس نے بے لچک لہجے میں پوچھا۔

"کیا میں بغیر کام کے نہیں آسکتی تمہارے پاس؟" اس کے لہجے میں منت تھی کہی دور۔ وہ کچھ کہتا اس سے پہلے ہی سامنے بیٹھی لڑکی کا فون بجا۔ اس نے ایک نظر فون کو دیکھا اور پھر اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"شیطان کو یاد کیا اور شیطان حاضر" اس نے آنکھیں گھمائیں۔ عجیب بات ہے نہ شیطان اپنے نام سے دوسرے کو پکار رہا ہے؟ اسے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ کس کا فون تھا، وہ مسکرایا اور اس بار اس کی

مسکراہت خاص تھی۔ بے حد خاص۔ اکثر ایسی مسکراہت خاص لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔ یقیناً سامنے بیٹھی لڑکی بس اس خاص شخص کو حاصل کرنے کا وسیلا ہے۔ اس نے اسے مسکراتا دیکھا تو اس کی دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔

"میں جاتی ہو ورنہ یہ چڑیل سکون نہیں لینے دے گی۔" وہ کہہ کہ باہر نکل گئی اور اس کے جاتے ساتھ ہی سازش اور حسد کی بو فزا میں کہیں غایب ہو گئی۔ جیسی وہ کبھی فزا کا حصہ ہی نہیں تھی۔ وہ تلخی سے مسکرایا۔

" یہ لڑکی کسی دن اپنا نقصان کروائی گی۔" وہ سب جانتا تھا سب۔ مگر کیا وہ اپنا انجام جانتا تھا؟ نہیں وہ اپنا تاریک انجام نہیں جانتا تھا۔ یا شاید وہ اس کا انجام نہ ہو مگر اس کی سزا جو اس نے کیا۔ انجام دنیا میں کہا ہوتے ہے؟ اعمالوں کے انجام تو روزہ قیامت کے دن واضح ہو گے۔ اور پھر رب کے فیصلہ تو ہمیشہ بہتر ہوتے ہے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

☆☆☆☆☆☆

اس نے گھر آ کے ایک خاموش نظر ڈالی۔ یقیناً سب اپنے اپنے کمرے میں تھے۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں آ کے اس نے احتیاط سے اپنا سکارف اتار کر لٹکایا اور واشروم میں گھس گئی۔ وہ باہر آئی تو اس کا لباس مختلف تھا۔ اس نے گہرے نیلے رنگ کی سادہ شلوار کمیز کے ساتھ سیاہ دوپتہ لیا تھا۔ اس نے اپنے گیلے بال کمر پر کھلے چھور دیے اور وقت دیکھا۔ رات کے نو بجنے کو تھے۔ اس نے گہرا سانس لیا۔ اس نے بیڈ کے کراون سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی۔ ہر جگہ بے سکونی تھی۔ کہیں سکون

نہ تھا۔ اسے کچھ ہی لمحوں بعد سانس لینے میں تکلیف ہونے لگی۔ اس نے اپنے کمرے کی بالکنی میں آکر چند گہرے سانس لیے۔ جلن سی تھی جو اس کے سینے میں اٹھ رہی تھی۔ اس نے سر جھکا دیا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے کدھر سکون لے۔ وہ وہ

کافی دیر اسی طرح سر جھکائے کھڑی رہی پھر آہستہ سے سر اٹھایا۔ دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا۔ سکون کہاں ملتا ہے؟ نماز کے علاوہ سکون اور کس سے ملتا ہے؟ اور نماز سے زیادہ سکون دہ چیز کیا ہی ہو سکتی ہے؟ جس میں تم اپنے رب سے گفتفو کرو اس سے زیادہ کیا ہی سکون زدہ ہو گا؟ اس نے وضو کر کے اپنے چہرے کے گرد اچھے سے سکارف لپیٹا اور جانِماز پہ کھڑی ہوئی۔ اس کے بدن بدن میں سکون سا اتر گیا۔ اس نے اللہ حکبر کہنے کے لیے ہاتھ فزا میں بلند کیے۔ اور پھر سینے پہ ہاتھ باندھ لیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سجدے میں گر گئی ۔اس کی نماز بہت پر سکون تھی۔ دیکھنے والا بھی حیران ہو جاتا تھا کہ وہ اتنی لمبی نماز کیسے ادا کرتی تھی؟ اس کے لیے سکون اپنے رب سے بات کرنا ہی تھا۔ اور سکون سے کون دور ہونا چاہتا ہے؟ اب وہ دعا کے لیے ہاتھ کا پیالہ بنائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھا۔ کیا تھا اس کے پاس؟ کچھ نہیں۔ اس رب کے سامنے وہ کیا تھا؟ مٹی کا وجود مگر پھر بھی وہ اسے اتنی نعمتوں سے نواز چکا تھا کہ اس کا شکواہ کرنا بے کار تھا۔ وہ مضبوط تھی، مگر اپنے رب کے سامنے وہ کھنڈر وجود تھی بس۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آگئی تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

" یارب مجھے نہیں پتہ میں تجھ سے کیا مانگو۔ مجھے بس وہ عطا کر جو میرے لیے بہتر ہے "ہمیشہ کی طرح اس نے وہی دعا مانگی جو وہ بچپن سے مانگتی آئی ہے۔ اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر اپنے ہاتھ گرا دیے۔ اور سجدے میں گر گئی۔

چند لمحوں بعد اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں خشک تھی۔ مگر چہرہ پر سکون تھا۔ اس نے "الحمد اللہ" کہ کر جانِماز تے کر کے شیلف پہ رکھ دیا۔ اس کے وجود میں سکون تھا، اتنا سکون جیسے کچھ گھنٹوں پہلے اس کے ساتھ کوئی حادصہ پیش نہیں آیا تھا۔ اس نے اپنا سیاہ جلد والا قرآن احتیاط سے اٹھایا اور اسے نرمی سے کھولا۔ اور پھر جہاں سے اس نے آخری بار چھوڑا تھا وہاں سے تلاوت شروع کی۔ اس نے چند لمحے بعد تلاوت ختم کر کے شلف پہ قرآن احتیاط سے رکھا۔ کمرے میں اندھیرا اتھا۔ بس چاند کی روشنی تھی ہر جگہ جو اس کی بالکنی سے چھن کر آرہی تھی۔ اس نے چند گہرے سانس لے کہ سکون محسوس کیا۔ اور پھر کچھ گھنٹوں پہلے ہوا حادصہ یاد آیا۔ اس نے صارم کو فون کرنے لے کیے عمر کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنا فون اٹھایا۔ اس میں ایک انجان نمر سے میسج تھا۔ اس نے زرا نا سمجھی سے دیکھا۔ وہ کبھی انجان نمر کا میسج ریسو نہیں کرتی تھی۔ اس کے ساتھ انجان نمبروں والا سلسہ کبھی اچھا نہیں رہا تھا۔ اس نے عرصہ پہلے انجان میسج کھولنا چھوڑ دیے تھے۔ اور اب نجانے کیوں اس نے وہ میسج کھولا اور اس 5 منت کی وڈیو نے اسے شل کر دیا۔ بے یقینی ہی بے یقینی ہی تھی۔ وہ دھیڑے سے بستر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ سے فون گر گیا۔ اور وہ ویسی ہی بیٹھی رہی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسے پہلے بار چاندنی رات سے خوف آیا تھا۔ چاند کی روشنی حد درجہ خوفناک لگ رہی تھی اس پہر۔ اسے لگا جیسے اس کے کمرے میں ہر ایک چیز اسے ہی دیکھ رہی ہو۔ اس نے دھیرے سے اپنا سر ہاتھوں میں گرا دیا۔

" یہ اللہ میرے سے اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی؟" اسے اپنے ہر طرف اندھیرا نظر آنے لگا تھا۔ اس کے اندر کی ساری ہمت دم توڑ گئی تھی۔ کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔ ہر جگہ گھپ اندھیرا تھا اور ہر دروازہ بند تھا۔ مگر کیا واقعی؟۔۔۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

جاری ہے۔۔۔

باقی آئندہ قسط میں

"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آ جائے گی۔'

اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

Click here

safareadab.com

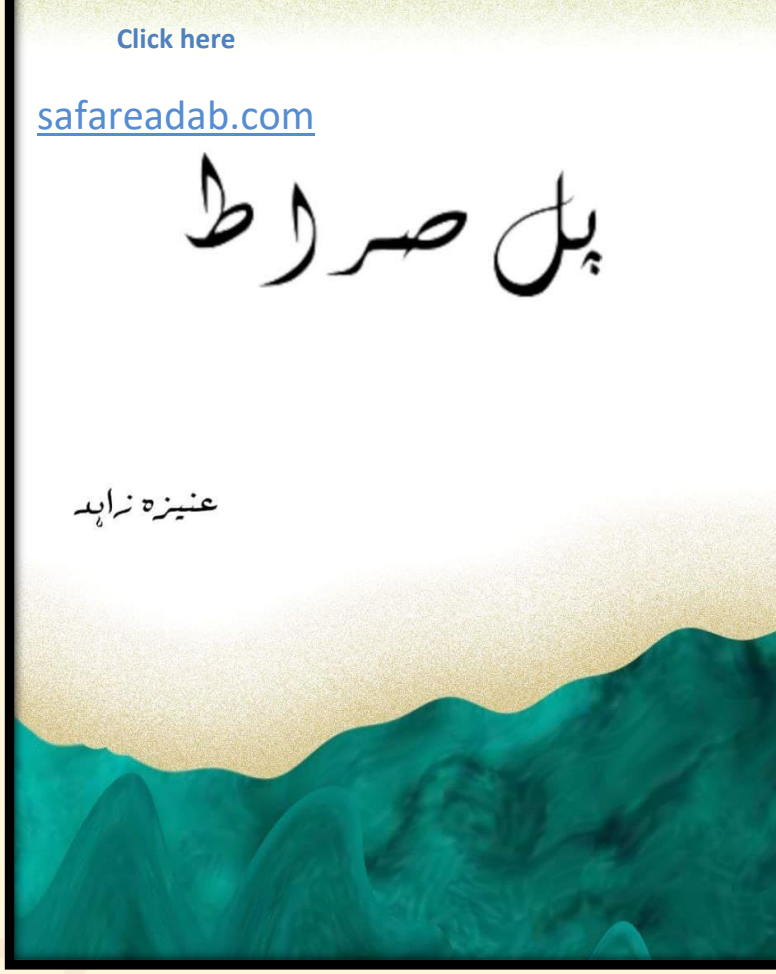

"یہاں دستخط کرو غازہ ! "کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بُری طرح کانپے تھے۔ وہ تو باآسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! "سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔

"سچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا ادھورا رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلیج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمیٹڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلیج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلیج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

Click here

safareadab.com

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ح جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِّ الٰہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھٹکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے تو بچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پُر یقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ٹائپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئمہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ ور اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زوردار تھپڑ مار دیا۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آ چکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہسبنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول شہہ مات کی ایک جھلک

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟"

"میرے ساتھ تو کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ بذات خود ایک مسئلہ تھی۔ اس کی ذات ایک بہت بڑا مسئلہ تھی۔ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا غلط تھا۔

"پھر تم ایسی کیوں ہو؟" وہ نرم لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"ایسی کیسی؟" اب کی بار اس نے پوری طرح گردن پھیر کر ان کو دیکھا۔

"تم خود جانتی ہو۔" مسز دانین نے گہری سانس لی۔ وہ اسے ایکسپلین نہیں کرنا چاہتی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ وہ بہت شارپ مائنڈڈ ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اپنے بارے میں سب سے بہتر وہ خود جانتی تھی۔

"مجھے آج بھی یاد ہے تم اس سکول میں جب پہلی بار آئی تھی۔۔۔" انہوں نے کہنا شروع کیا۔

(میں خود نہیں آئی تھی۔۔۔ لایا گیا تھا)

"تمہارے چہرے پر کوئی خوشی نہیں تھی۔۔۔"

(میں یہاں اپنی خوشی سے نہیں آئی تھی)

"میں نے تمہیں کبھی آگے بیٹھتے نہیں دیکھا۔۔۔"

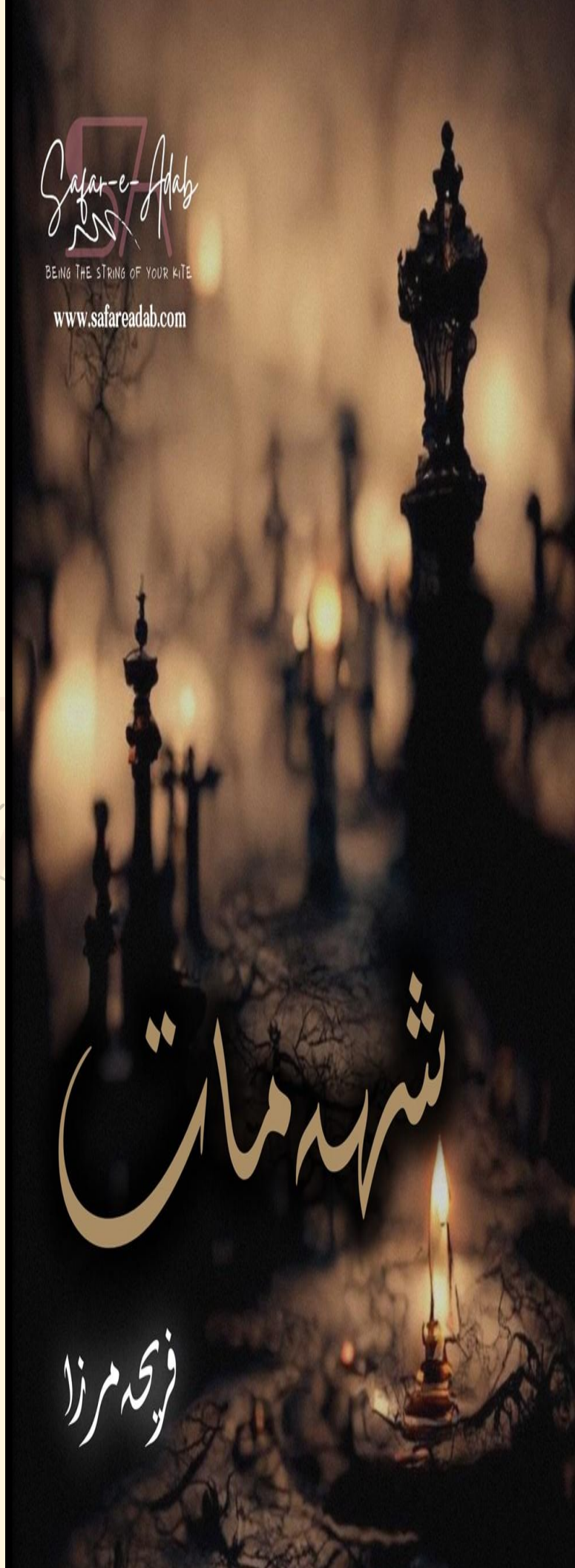

(مجھے پیچھے رہنا ہی پسند ہے۔۔۔)

"تم ہمیشہ اکیلی بیٹھتی ہو۔۔۔ کیا تمہیں تنہائی پسند ہے؟"

(ہاں۔۔۔ کیونکہ تنہائی میں خوف نہیں ہوتا کسی کے بچھڑ جانے کا۔)

"اور تم نے دوست بھی نہیں بنائے۔۔۔ کیا تمہیں دوستی نہیں پسند؟"

(نہیں۔۔۔ کیونکہ دوستی ایک رشتہ ہے جسے نبھانا پڑتا ہے اور ہر کوئی نبھانے والا نہیں ہوتا)

"اور تمہارے گریڈز۔۔۔ کیا تمہارے ماضی میں کچھ ایسا ہوا تھا جو۔۔۔"

"Does it really matter?" وہ ایک دم تیز لہجے میں بولی تھی۔ اس کی آواز بلند ہوئی تھی اور چہرے پر ہلکا ہلکا غصہ دکھائی دیا تھا۔

"کیا وہ اسے آبزرو کرتی رہی تھیں؟" یہ سوچ کر ہی اس کا دماغ گرم ہوا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا میری کسی بات کا صوفیہ۔۔۔ غصہ کے پردے میں لپیٹ کر باتوں کا رخ نہیں بدلتے۔ نا ہی اٹھ کر چلے جانے سے وہ سوال غائب ہو جائیں گے۔ یہ وہ سوال ہیں جو آج میں تم سے کر رہی ہوں۔ کل کوئی تمہارے بیہیویر پر سوال اٹھائے گا تو تم کیا جواب دو گی۔"

اس نے مٹھیاں بھینچ کر خود کو کمپوز کیا اور گہری سانس لے کر اپنا تیز تیز چلتا تنفس بحال کیا۔

"دس از نن آف یور کانسرن۔" جتنی بدتمیزی سے وہ کہہ سکتی تھی اس نے کہا اور جانے کو مڑ گئی۔

"حقیقت کا سامنا کرنا سیکھو صوفیہ۔۔۔ بھاگتے وہ ہیں جو کم ہمت ہوتے ہیں۔"

وہ رکی، ٹھٹھکی اور مڑ کر مسز دانین کو دیکھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔

"آپ کو کیا معلوم کہ بھاگنے کے لیے بھی کیا کچھ چھوڑنا پڑتا ہے؟" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔

"ہر فرار ہونے والا شخص "جیل کا قیدی" نہیں ہوتا جو اپنی مرضی اور خوشی سے بھاگا ہو، کچھ شہزادیاں بھی محل سے فرار ہوتی ہیں۔۔۔ اپنی مرضی سے نہیں۔۔۔ بلکہ مجبوراً۔۔۔ کیونکہ ان کے لیے ان کا فرار ہی ان کی بقا ہے۔۔۔ بھاگ جانا دلیری ہو یا کم ہمتی۔۔۔ اسی میں آزادی ہے۔ اسی میں بقا ہے۔۔۔ جیل کے قیدی کی بھی اور محل کی شہزادی کی بھی۔" اتنے عرصے میں اس نے پہلی بار اتنی لمبی بات کی تھی۔ اس کے منہ سے نکلے جملے مسز دانین کو بہت کچھ سوچنے پر

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مجبور کر گئے تھے۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ کس قدر گہری بات کہہ رہی تھی۔

"اور ہاں۔۔۔" مسز دانین کو خاموشی سے خود کو تکتا پا کر اس نے اپنی بات میں اضافہ کیا۔

"ہر شہزادی محل سے فرار ہونے کے بعد ایلس بن کر کسی ونڈر لینڈ میں نہیں پہنچتی۔۔۔ کچھ شہزادیاں cursed ہوتی ہیں۔ ان کی زندگی ہمیشہ hell میں گزرتی ہے۔ اور جانتی ہیں hell کیا ہے؟" اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ مسز دانین کو دیکھا۔

"میں نے جنت نہیں دیکھی۔ میں نے سات آسمان نہیں دیکھے۔ میں نے خدا کو بھی نہیں دیکھا۔ مگر میں جہنم پر یقین ضرور رکھتی ہوں۔۔۔ because "hell exists inside me

اس کی آواز آخر میں غصہ سے کانپ گئی تھی اور چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اس بار اس نے مسز دانین کے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ انہیں گم صم کھڑا چھوڑ کر اپنی کلاس کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس بار انہوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"وہ محل سے دربدر ہوئی شہزادی تھی جسے بہت کچھ چھوڑنا پڑا تھا۔"

"اس کی زندگی ایک hell میں گزر رہی تھی۔"

"وہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی تھی۔"

وہ کون تھی؟

صوفیہ سکندر کون تھی؟

A Little good girl?

The Cursed Princess?

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں کلک کریں۔

safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جا سکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب